
14
AUGUST
جشن آزادی مبارک
دلچسپ اور سنسنی خیز کہانیوں کا مجموعہ
ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ کراچی
اگست 2019
بانی
معراج رسول
صفحات 290
قیمت 100 روپے

جاسوسی ڈائجسٹ

مدیراعلیٰ
عذرا رسول

مدیر : لبنیٰ جمال
نائب مدیر : ڈاکٹر نعیم اختر

منیجر اشتہارات
محمد شہزاد خان
0333-2256789

سرکولیشن منیجر
سید منیر حسین
0333-3285269

جلد49 • شمارہ08 • اگست2019 • زرِسالانہ1200روپے • قیمت فی پرچا پاکستان100روپے •
خط وکتابت کا پتا: پوسٹ بکس نمبر229 کراچی74200 • فون (021) 35895313 E-mail:jdpgroup@hotmail.com



پبلشر و پروپرائٹر: عذرا رسول • مقام اشاعت: C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈیفنس کمرشل ایریا، مین کورنگی روڈ، کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی



مدیراعلیٰ

چینی نکتہ چینی

عزیزانِ من...... السلامُ علیکم!

اگست کا شمارہ یومِ آزادی کی دلی مبارک باد کے ساتھ پیارے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ اس بار یہ جشن بجٹ کے تیز ریلے کے پس منظر میں منایا جائے گا۔ ٹیکسوں کے نام پر گراں فروشوں کی گویا عید ہوگئی ہے۔ ٹیکس ایک روپیہ اور مہنگائی دو روپے۔ مدعا یہ ہوتا ہے کہ مہنگائی سے عام لوگ بھی بلبلا کر سڑکوں پر آجائیں تاکہ ان گراں فروشوں اور منافع خوروں کی اصل آمدنی کسی ضابطے کی گرفت میں نہ آسکے۔ ایمان دار تاجر سارے سرکاری واجبات خندہ پیشانی سے ادا کرتے ہیں۔ ہاتھیوں کی اس کشمکش میں خسارہ صرف عوام کے سر آتا ہے۔ معیشت کی زبوں حالی کے شور میں آنے والے آبی بحران کو ہمارے رہنماؤں نے یکسر نظر انداز کیا ہوا ہے۔ عالمی درجۂ حرارت بڑھ رہا ہے۔ گلیشیر پگھل رہے ہیں۔ پچھلے دنوں چترال میں ایک بڑا گلیشیر خطرناک سیلابی ریلے کے ساتھ نیچے آگیا اور کئی آبادیاں پانی میں محصور ہوگئیں۔ متحدہ عرب امارات سے خبر ہے کہ انٹارکٹیکا سے ڈھائی کلومیٹر طویل ایک گلیشیر ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے 15 کروڑ ڈالر کے خرچ کے بعد امارات لایا جائے گا تاکہ شہریوں کو صاف اور تازہ پانی فراہم کیا جاسکے۔ کشمیر سے پاکستان آنے والے دریاؤں کے پانی پر بھارت قابض ہے۔ بند باندھ کر اور دریائی راستے تبدیل کر کے آبی ڈکیتی کر رہا ہے۔ اپنے ذخیرے بھر لینے کے بعد سیلابی ریلے ہماری طرف بہا دیتا ہے۔ ہمیں پانی کو جمع کرنے کی کوئی فکر نہیں۔ سمندر میں جاتا ہے تو جائے، ہماری بلا سے۔ پرانے ڈیم ریت اور تلچھٹ کے سبب آدھی پونی گنجائش پر کام کر رہے ہیں۔ سابق چیف جسٹس نے دیامیر ڈیم کے لیے بھرپور مہم چلائی۔ اس قومی مفاد میں تعاون کرنے کے بجائے اب لوگ مذاق بنا رہے ہیں۔ بھول رہے ہیں کہ آنے والے سال کتنے سخت ثابت ہوں گے۔ ہم نے خود کو عالمی اداروں کے رحم وکرم پر چھوڑا ہوا ہے کہ وہ بھارت کو طاس سندھ اور دوسرے معاہدوں کا پابند کریں گے۔ آبی فیاضی کا یہ عالم ہے کہ ملک میں اقربا پروری کرتے ہوئے بکثرت شوگر ملیں لگائی گئی ہیں۔ ان کا پیٹ بھرنے کے لیے گنے کی کاشت پر سارا زور ہے جبکہ گنا اور چاول ایسی فصلیں ہیں جو بہت زیادہ پانی دینے سے ہی پروان چڑھتی ہیں جبکہ متبادل فصلیں بہت کم پانی کے استعمال سے کسانوں کو بہتر معاوضے دلا سکتی ہیں۔ کم پانی سے بہتر زرعی پیداوار زراعت میں ایک انقلاب لا سکتی ہے۔ پانی کے باکفایت استعمال میں اسرائیل اس وقت سرفہرست ہے جہاں پانی کے زیاں کے خلاف کڑے قوانین نافذ ہیں۔ پھلوں، سبزیوں اور دوسری زرعی پیداوار برآمد کر کے اسرائیل بھاری زرمبادلہ کما رہا ہے۔ ایک زرعی ملک ہونے کے ناتے زراعت کے ان پہلوؤں کو مدِنظر رکھتے ہوئے منصوبہ بندی ناگزیر ہے لیکن ہمارے نقار خانے میں سب اپنی اپنی ڈفلی بجا رہے ہیں۔ ذمے داروں کو مستقبل کا اندازہ ہے اور نہ فکر۔ مہمند، دیامیر، بھاشا، کالاباغ...... سب شاندار دفتروں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ ہوش اس وقت آئے گا جب دور دراز ریگ زاروں میں بارانی پانی کے جوہڑ اور تالاب بھی خشک رہنے لگیں گے۔ سوکھی اور پیاسی زمین بارش کا ہر قطرہ چوس لے گی کیونکہ ہمارے زیرِ زمین آبی ذخائر بھی روز بروز نیچے اترتے جا رہے ہیں اور اب اترتے ہیں ان سطور سے ذرا نیچے جہاں ترشی کے ساتھ کچھ مٹھاس بھی موجود ہے۔

کوئٹہ سے سیف خان کے اندازے ”جاسوسی میں انگارے کی تپش کیا بجھی شمارہ لینے یا پڑھنے کے ہمارے سارے جذبے ہی سرد پڑنے لگے لیکن سوشل میڈیا پہ جاسوستان کے حلقہ احباب نے وہ اصرار و ترغیب دلائی کہ بیگانگی و افسردگی بہت جلد ہوا ہوگئی اور کچھ دن پہلے جاسوسی کے گزشتہ دونوں شمارے لینے پڑے۔ طاہر جاوید مغل صاحب کے لکھے لفظ قاری کو اپنا اسیر بنا لیتے ہیں ان کے کرداروں سے جڑی یادیں ایک عرصے تک ذہن میں ستاروں کی طرح جھلملاتی رہتی ہیں۔ ان کے نہ ہونے سے جاسوسی میں ایک طرح کی تشنگی محسوس ہوتی ہے۔ مجھ سمیت قارئین کی کثیر تعداد انہیں جاسوسی کے صفحات پہ دوبارہ پڑھنا چاہتی ہے۔ امید ہے اس حوالے سے وہ اپنے چاہنے والوں کو مایوس نہیں کریں گے۔ جون جولائی کے دونوں ٹائٹلز جاسوسی کے شایانِ شان تھے جون میں حسینہ سرورق جتنی کھلکھلا رہی تھی۔ جولائی میں شدید گرمی کے مارے اس کے چہرے پر اتنے ہی بارہ بج رہے تھے۔ دونوں اداریے ہمیشہ سے کچھ زیادہ تلخ محسوس ہوئے لیکن کیا کیجیے حقیقت بھی تو ان سے زیادہ تلخ ہے۔ چینی کی محفل میں ہمیشہ پہلی فرصت اور ذوق وشوق سے پڑھتا ہوں۔ اس بار بھی دونوں نشستوں میں یکے بعد دیگرے جھانکی لگائی۔ بہت سی خوشگوار یادیں جڑی ہیں اس محفل کے ساتھ۔ خطوط میں کئی قارئین یہ شکوہ کرتے نظر آئے کہ ای میل کرنے کے باوجود تبصرہ شاملِ اشاعت نہیں ہوتا۔ اس مسئلے پر کچھ دھیان دینا چاہیے کیونکہ کچھ ملتی جلتی شکایات ہماری بھی ہیں۔ جون میں قارئین انگارے کی یاد میں تڑپ رہے تھے جس سے غمِ رفتہ ایک بار پھر تازہ ہونے لگا۔ ایمانے زارا شاہ، طلعت مسعود، ڈاکٹر ارسلان، عنصر علی اور زمان صاحب نے کہانیوں پر اچھے انداز میں بحث کی تھی۔ دونوں شماروں میں ایک کہانی...... منتخب کہانی کہلائی جاسکتی ہے۔ وہ ہے امجد رئیس کی الوداعی صدمہ۔ اس کہانی نے جیمز ہیڈلے چیز اور اثر نعمانی کی مشہور زمانہ ملی بھگت یاد دلائی۔ اسرار و تحیر کے لبادوں میں لپٹی تھریسا کی داستان نے بے خود سا کر دیا اور امجد صاحب کے لیے بے اختیار تحسین و آفرین دل سے نکلنے لگی۔ منفرد کہانی کا انتخاب اور انداز و بیاں میں سادگی و روانی امجد صاحب کے تراجم کی سب سے خاص وصف ہے اسی لیے ان کا طویل ناول بھی ایک ہی نشست میں پڑھا جاتا ہے۔ جولائی کے شمارے میں ایک بار پھر روبی و مودی کی جوڑی نے رنگ بکھیرے تھے اور کیا خوب بکھیرے تھے۔ مودی صاحبہ نے پچھلی بار کی طرح اس مرتبہ بھی مایوس نہیں کیا اور ایک دلآویز کاوش پیش کی......

الاؤ

کاشف زبیر

الاؤ... مرحوم کاشف زبیر کی آخری سلسلے وار تحریر ہے... جو انہوں نے بڑے ذوق و شوق سے قارئین کے لیے تحریر کرنا شروع کی... لیکن دستِ قضا نے ان کو اتنی مہلت نہیں دی کہ وہ چندسنسنی خیز اقساط لکھنے کے بعد اپنے قلم سے اسے اختتام تک پہنچا سکیں... اس دلچسپ اور پُرتجسس کہانی کو اسی انداز میں انجام تک لے جانا ایک امتحان تھا... آخرکار آپ کے جانے پہچانے اور مقبول و معروف مصنف کو یہ کام سونپا گیا جو کاشف زبیر کی لکھی ہوئی اقساط کے بعد قارئین کے لیے اپنے ہنر کے جوہر دکھائیں گے... **الاؤ** ایکشن، تھرل اور سسپنس سے بھرپور ایسی داستان ہے جو قارئین کو اول تا آخر اپنی گرفت میں رکھے گی...

انسان نما درندوں کی داستان وہ جیتے جاگتے ہم نفسوں کو بھی بازار کی جنس بنا دیتے ہیں

مجھے نہیں یاد کہ میں نے پچھلے ایک سال میں ایسا کوئی کام کیا ہو جسے دافع بلیات کے زُمرے میں شامل کیا جا سکے۔ نیک کاموں کا تو کیا بعض اوقات مجھے کھانے کا وقت نہیں ملتا تھا اور ویسے بھی اس عرب ملک میں ان چیزوں کے حق دار/مستحق کم ہوتے ہیں جن کے ساتھ نیکی کی جائے۔ یہ خود دینے دلانے والوں میں شامل ہیں۔

والدین خالقِ حقیقی کے پاس جا چکے ہیں۔ ایک بھائی ہے جو خود اپنے لیے بھی شاید ہی دعا کرتا ہو۔ بے شک مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ وقت پڑنے پر وہ میرے لیے جان دے سکتا ہے۔ لیکن یہ توقع محال ہے کہ وہ میری سلامتی کے لیے خصوصی دعا کرتا ہوگا۔ رہی حمیرا تو وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے مگر ساتھ تقدیر پر مکمل یقین رکھتی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ کسی کے چاہنے سے بُرا یا بھلا کچھ نہیں ہوتا ہے۔ انسان کے ساتھ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ ویسے وہ بھی ڈاکٹر ہے اس کا ہاؤس جاب اپنے آخری مراحل میں ہے۔ جیسا کہ ہوتا ہے ڈاکٹر بن کر خواتین اکثر مردوں سے بھی زیادہ غیر جذباتی ہو جاتی ہیں۔ حمیرا کا بھی کچھ ایسا ہی کیس تھا۔ اس سے بھی توقع مشکل تھی کہ وہ خاص طور سے میرے لیے دعا کرے۔



تنگ آمد

تنویر ریاض

محبت، رشتوں میں پرو دیتی ہے... بندھنوں میں باندھ دیتی ہے... کبھی ضرورتاً اور کبھی عادتاً... وہ بھی اپنی ذمّے داریاں نبھاتا آیا تھا... کیونکہ وہ بڑے بھائی کے درجے پر فائز تھا... چھوٹے بھائی کا خیال اور احساس اسے ہر دم بے چین و بے قرار رکھتا تھا... چھوٹا بھائی اس سے مختلف فطرت رکھتا تھا... مگر اس کی یہ عادت پختہ ہوتی جارہی تھی کہ وہ اپنے ہر معاملے میں بڑے بھائی کو ملوث کر لیتا تھا...

حیلے بہانوں سے تنگ آ کے اٹھایا جانے والا فیصلہ کن قدم......

بار میں داخل ہونے والے دونوں افراد نیڈ بشپ کے لیے کام کرتے تھے۔ انہوں نے گہری سلیٹی سوٹ اور جیکٹیں پہن رکھی تھیں جن سے ان کے کندھوں پر لٹکے ہولسٹر میں موجود ہتھیار چھپ گئے تھے۔ کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا جیک ٹامسن ان کے انداز اور چال ڈھال سے ہی سمجھ گیا کہ بشپ کے بھیجے ہوئے آدمی ہیں جنہیں اس نے رقم کی وصولی کے لیے بھیجا ہے۔ ان میں سے ایک کا نام مارون اور دوسرے کا نیل تھا۔

چارہ گر

زویا اعجاز

سہولتیں... آسائشات زندگی کو آسان سے آساں تر کر دیتی ہیں۔ مشکلات... رکاوٹیں... اور حصولِ زر کی تکالیف ہر بار موت کے کنارے تک لے جاتی ہیں... اور بعض اوقات... کسی کے حصے میں زندگی بار بار آتی ہے... اور موت سے دور لے جاتی ہے... ہر دفعہ کوئی ننھی سی رمق اسے دوبارہ زندہ کر دیتی ہے... ایسے ہی حالات و واقعات سے گزرتی تحریر... کہیں اپنوں کی چھائوں تھی... اور کہیں انہی اپنوں کے دامن میں پرائے دشمنوں کے سانپ چھپے بیٹھے تھے...

ہر چارہ گر کو چارہ گری سے گریز تھا...... غمگسار دشمن کی فتنہ انگیزی......

وہ ایک جنگ زدہ ملک کا خزاں رسیدہ قصبہ تھا۔

درختوں کے سوکھے پتے جابجا بکھرے ہوئے تھے۔ اس قصبے میں خاموشی اور سناٹوں کا راج تھا۔ گزشتہ کچھ عرصے میں انسانی آبادی بہت تیزی سے سکڑی اور شہر خموشاں کے خاکی مکانات کی تعداد دسیوں گنا رفتار سے بڑھی تھی۔ عمارتیں گو ملبے کا ڈھیر بن چکی تھیں لیکن اس شکستہ ملبے کے آثار سے بھی دیکھنے والوں کو یہ اندازہ بہ آسانی ہو سکتا تھا کہ ہر عمارت کبھی دستِ کاریگری کا شاہکار رہی



بجھتے دیے

سیریناراض

دیے سے دیا جلتا ہے... روشن سوچ کے مالک افراد ایسے ہی ہوتے ہیں... اپنی روایات سے رشتے توڑ کر پہلا قدم اٹھانے کی ہمت بڑی مہنگی پڑتی ہے... مگر اس نے اپنی سوچوں کو عملی صورت دینے کا عہد کر لیا تھا... علم کی روشنی سے دور جہالت کی تاریکی میں ڈوبے ایک ایسے ہی علاقے میں پروان چڑھتی کہانی... جہاں ظلم اور جہالت کا الاؤ جل رہا تھا... ہر شخص اس کی تپش سے جھلس رہا تھا مگر کسی میں ہمت نہ تھی کہ اسے بجھا سکیں...

روشن دماغ اور خوب صورت دل رکھنے والے شخص کے مضبوط ارادے......



میدان اور پہاڑیوں کا سلسلہ بہت دور تک چلا گیا تھا۔

اس پہاڑی کے دامن میں کئی بستیاں آباد تھیں۔ جن میں ایسے لوگ رہا کرتے تھے جن کی روایات صدیوں پرانی تھیں۔ یہ جفاکش لوگ تھے۔ عام طور پر مویشی رکھا کرتے۔ کچھ لوگ پہاڑی کے دامن میں کھیتی باڑی بھی کیا کرتے۔

اس بستی سے کچھ فاصلے پر ایک اسکول بھی تھا۔ حکومت نے وہ اسکول یہ سوچ کر بنوایا تھا کہ شاید بستی کے بچے یہاں



روحوں کا انتقام

احمد جعفری

انسان کی کچھ بنیادی ضروریات ہوتی ہیں... جن کا پورا ہونا ازحدضروری ہوتا ہے... اگر وہ تکمیل نہ پا سکیں تو زندگی روٹھ جاتی ہے... اپنی طرز کی ایک انوکھی کہانی... موت و حیات کی کشمکش اور انتقامی جذبات کا سربستہ راز...

قتل وڈکیتی کی وارداتیں جو سالوں دنیا کی نگاہوں سے اوجھل رہیں......

ونی پیگ، امریکا کی سرحد سے تقریباً ملا ہوا کینیڈا کا آخری بڑا شہر، پورے سال شدید سردی کی لپیٹ میں رہتا ہے۔ موسلا دھار بارشیں، تیز ہواؤں کے جھکڑ۔ صرف دو ڈھائی ماہ، جون کے آخر سے وسط اگست تک بہار کے مہینے کہے جاسکتے ہیں۔ ان میں بھی کبھی کبھی طوفانی بگولے آتے رہتے ہیں۔ ٹی وی پر چھ چھ گھنٹے کی موسم کی فورکاسٹ آتی رہتی ہے۔

جب سنی ویک اینڈ کی فورکاسٹ ہوتی ہے تو شہریوں

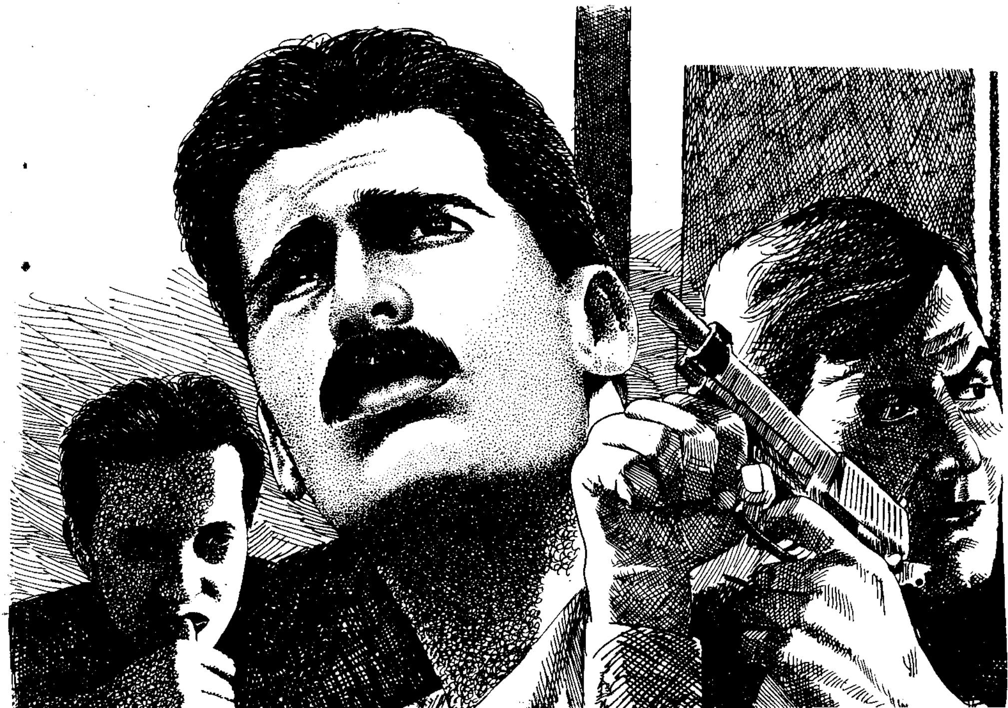
آوارہ گرد

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

قسط: 64

مندر، کلیسا، سینی گاگ، دھرم شالے اور اناتھ آشرم... سب ہی اپنے اپنے عقیدے کے مطابق بہت نیک نیتی سے بنائے جاتے ہیں لیکن جب بانیوں کے بعد نکیل بگڑے ذہن والوں کے ہاتھ آتی ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے... محترم پوپ پال نے کلیسا کے نام نہاد راہبوں کو جیسے گھنائونے الزامات میں نکالا ہے، ان کا ذکر بھی شرمناک ہے مگر یہ ہورہا ہے... استحصال کی صورت کوئی بھی ہو، قابل نفرت ہے... اسے بھی وقت اور حالات کے دھارے نے ایک فلاحی ادارے کی پناہ میں پہنچا دیا تھا... سکھ رہا مگر کچھ دن، پھر وہ ہونے لگا جو نہیں ہونا چاہیے تھا... وہ بھی مٹی کا پتلا نہیں تھا جوان کا شکار ہو جاتا... وہ اپنی چالیں چلتے رہے، یہ اپنی گھات لگا کر ان کو نیچا دکھاتا رہا... یہ کھیل اسی وقت تک رہا جب اس کے بازو توانا نہ ہو گئے اور پھر اس نے سب کچھ ہی الٹ کر رکھ دیا... اپنی راہ میں آنے والوں کو خاک چٹا کر اس نے دکھا دیا کہ طاقت کے گھمنڈ میں راج کا خواب دیکھنے والوں سے برتر... بہت برتر قوت وہ ہے جو بے آسرا نظر آنے والوں کو نمرود کے دماغ کا مچھر بنا دیتی ہے... پل پل رنگ بدلتی، نئے رنگ کی سنسنی خیز اور رنگا رنگ داستان جس میں سطر سطر دلچسپی ہے...

تحریر... سنسنی اور ایکشن میں ابھرتا ڈوبتا دلچسپ سلسلہ...





جذبے

منظر امام

ماہِ اگست کے آغاز ہی سے ہر طرف سبز ہلالی پرچم فضائوں میں لہرانے لگتے ہیں... ہر گلی... ہر قریہ... ہر محلہ تیاریوں میں مشغول ہوتا ہے... ہر بچے کی زبان سے وطن سے محبت کا نعرہ ادا ہورہا تھا... ایسی دلفریب فضائوں میں رچے بسے لوگوں کے انوکھے انداز...

آزادی کے جذبات سے لبریز......احساسات سے بھرپور کہانی

پوری گلی ان بچوں کے شور سے گونج رہی تھی۔ ”لے کے رہیں گے پاکستان۔ پاکستان زندہ باد۔“

تیمور خان نے اپنے بال نوچ لیے۔ ”کیا مصیبت ہے۔“ وہ دہاڑا۔ ”کوئی ان بچوں کے منع کرنے والا نہیں ہے۔ کم بختوں نے سارا محلہ سر پر اٹھا رکھا ہے۔“ غصے سے اس کا بُرا حال تھا۔

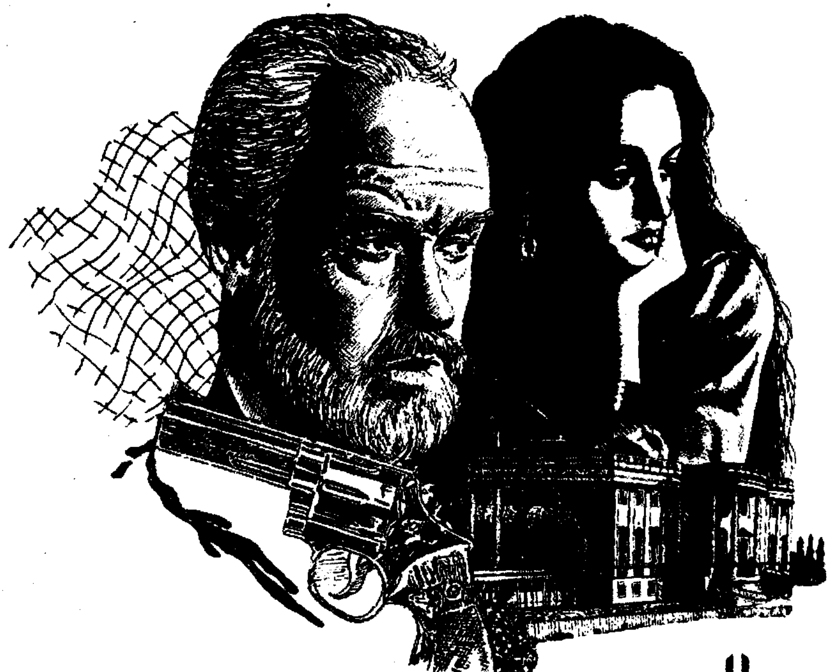
”یہ سب تجمل صاحب کے پوتے پوتیاں ہیں۔“ اس کی بیوی نے کہا۔ ”اسی طرح گلی گلی نعرے لگاتے پھرتے ہیں۔“

”وہ بوڑھا خود تو گھر میں بیٹھا رہتا ہے اور ہمارا دماغ خراب کرنے کو اپنی پوری فوج بھیج دیتا ہے۔“ تیمور نے دل کی بھڑاس نکالی۔

”محلے کے بچے بھی تو ان میں شامل ہوجاتے ہیں۔“

”ارے سب ایک ہی طرح کے ہیں۔“ تیمور خان غصے سے بھنّا رہا تھا۔ ”اور ہمارا نوید کہاں ہے؟“

”وہ بھی ان بچوں کے ساتھ ہی ہے۔“ صفیہ نے بتایا۔ نوید ان کی واحد اولاد تھی۔ دس بارہ برس کا ایک ذہین لڑکا۔



جال

اعتزاز سلیم وصلی

بعض کھیت ایسے ہوتے ہیں کہ جب ہل کی نوک مٹی کی بھاری پرت اتارتی ہے تو اس کے نیچے چکنی اور زرخیز مٹی ابھر آتی ہے... بعض میدان ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی اوپری پرت ذرا ہٹا دی جائے تو نیچے پتھریلی زمین نکل آتی ہے اور بعض میدان ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں مٹی ہٹانے کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ اوپر ہی سے پتھر اور چٹانیں نظر آجاتی ہیں۔ انسان کی مثال بھی ایسی ہے... اس کے چہرے... لفظوں اور رویوں میں دہرا پن چھپا ہوتا ہے... اس کی شخصیت کی پرتوں کو ہٹانے سے ہر پرت کے نیچے ایک نیا عکس نمودار ہوتا ہے... ایسی ہی پرتوں میں چھپے کرداروں کے عکس در عکس سلسلے... جنہیں کھوجنا اور تلاشنا ہر ایک کے بس سے باہر تھا...

چند لمحوں کی رفاقت کے لیے ضمیر کا سودا کرنے والے طمع پرستوں کا ماجرا

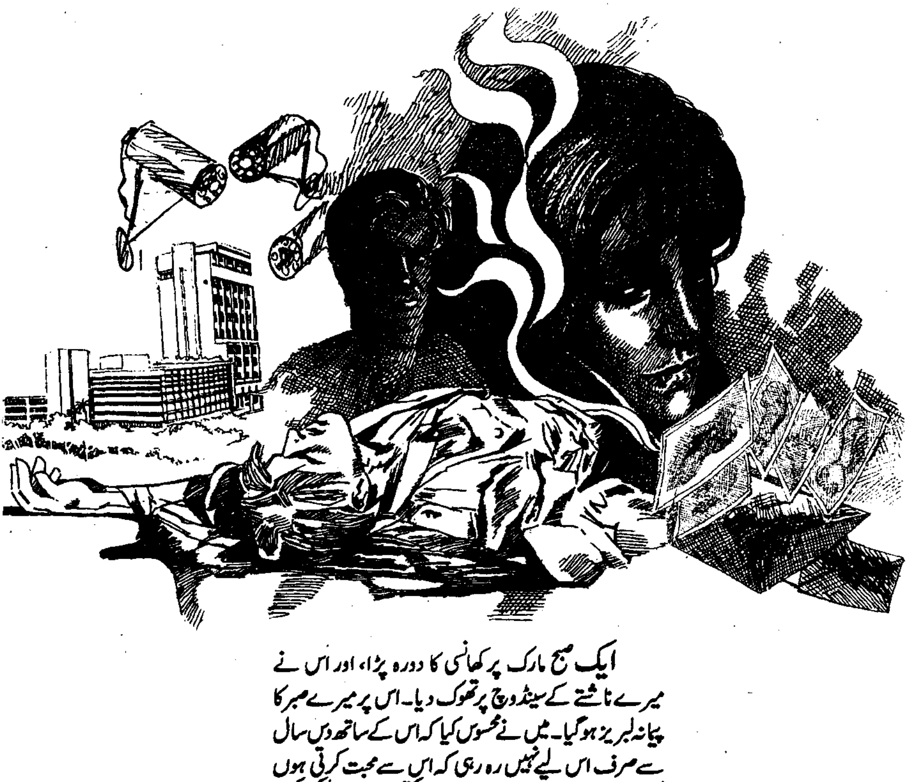
انڈین پنجاب کے شہر لدھیانہ میں سورج نے اپنا چہرہ دکھایا تھا۔ یہ فروری کے آخری دن تھے اس لیے موسم نرم تھا۔ گاندھی مارکیٹ میں ابھی رونق کم تھی۔ مارکیٹ سے تھوڑا آگے ایک پُرسکون علاقہ تھا جس کی شان وہ محل نما بنگلا تھا جس کے بڑے سے گیٹ کے اوپر چھوٹی چھوٹی لائٹس کی مدد سے ''بلونت ہاؤس'' لکھا ہوا تھا۔ رات کو جب یہ لائٹس مختلف رنگوں میں چمکتیں تو روڈ سے گزرنے والا ہر شخص ایک منٹ کے لیے رک کر ضرور دیکھتا تھا۔ یہ خاصا صاف ستھرا

بازی گر

جمال دستی

زندگی کا تمام تر حسن سادگی... خلوص اور قناعت میں چھپا ہے... جو اس بھید کو پالیتا ہے... اس کی زندگی میں ہر طرح کا سکون اور قرار آجاتا ہے... جو اس بھید تک پہنچ نہیں پاتے... وہ ہمیشہ بے قرار ہی رہتے ہیں... ایک بازی گر کی بازی گری... اپنے اردگرد رہنے والوں کے طرزِ زندگی کو کھوجنا اور خاموشی سے قید کرلینا اس کا محبوب مشغلہ تھا...

ایک آرٹسٹ کی فنکاری...... جو لوگوں کی دل آزاری کا باعث بن رہی تھی......



ایک صبح مارک پر کھانسی کا دورہ پڑا، اور اس نے میرے ناشتے کے سینڈوچ پر تھوک دیا۔ اس پر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے ساتھ دس سال سے صرف اس لیے نہیں رہ رہی کہ اس سے محبت کرتی ہوں بلکہ مجھے معلوم ہے کہ میں اس کے لیے کتنی اہم ہوں لیکن کسی وجہ سے اب وہ بات باقی نہیں رہی۔ ہم کبھی باہر نہیں گئے اور ہمارے درمیان بہت کم گفتگو ہوتی ہے۔ اس واقعے کے بعد مجھے لگا کہ اب ہم صرف روم میٹ ہیں۔ اس سے بہتر ہے کہ

گھن چکر

کبیر عباس

کھیل کا موسم ہو تو ہر طرف کرکٹ ہی کرکٹ نظر آتی ہے... پاکستانیوں کا پسندیدہ کھیل کرکٹ ہی ہے... اسی کھیل سے شروع ہونے والی سنسنی خیز کہانی... کھلاڑیوں اور کھیل کے مسلسل اتار چڑھائو شائقین کرکٹ کے اعصاب کو تہ و بالا کر رہے تھے...

دلچسپ انداز میں لکھی گئی ہنستی مسکراتی تحریر

سیٹھ رمضان المعروف سیٹھ چھوٹا پاپڑ والا لیونگ روم میں موجود کرسی پر اکڑوں بیٹھا بحرِ خیالات میں غوطہ زن تھا۔

اچانک ہی کمرے کا دروازہ کڑیں کی تیز آواز سے کھلا اور ناصر عرف سیٹھ چمڑے والے کا رخِ روشن نمودار ہوا۔ گو کے اس کے رخ پر ہر وقت نحوست ہی برستی رہتی ہے تاہم اس کے رخ اور سر کے درمیان کسی قسم کی سرحد کا عمل دخل نہ ہونے کے باعث روشنی پڑتے ہی اس کا رخ، رخِ روشن کہلانے کے قابل ہو جاتا ہے۔

اندر داخل ہوتے ہی بولا۔ ''یہ میرے یار کے چہرے پر دن کے تین بجے ہی بارہ کیوں بج رہے ہیں؟''

سیٹھ پاپڑ والا نے ایک نظر اٹھا کے اپنے دوست کو دیکھا، ایک ٹھنڈی آہ بھری اور درد بھرے انداز میں گویا ہوا۔ ''یار، میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔'' اس کا ایک ہاتھ اپنی موٹی توند پر تھرک رہا تھا۔

سیٹھ چمڑے والا بھونچکا رہ گیا۔ ''کک...... کیا مطلب؟'' وہ مشکوک انداز میں اس کی توند کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

سیٹھ پاپڑ والا اس کی حیرانی سے بے خبر اپنی ہی رو میں بولا۔ ''یہ نو ماہ میری زندگی کے بدترین ماہ ثرہے۔ شروع کے دنوں میں امید تھی کہ مسئلہ حل ہو جائے گا مگر آہ......'' اس نے پھر ایک ٹھنڈی آہ بھری اور سیٹھ چمڑے والے کو فریادی انداز میں دیکھا۔ وہ جھرجھری لے کے رہ گیا۔ سیٹھ پاپڑ والا اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''جو مسئلہ پہلے چھوٹا سا تھا اب بڑا ہوتے ہوتے پہاڑ بن چکا ہے۔'' اس نے بے بسی سے کہا۔

سیٹھ چمڑے والا خوفزدہ سے انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ''ابے پاگل پہیلیاں کیوں بجھوا رہا ہے۔ کھل کے بتا ہوا کیا ہے؟''

وہ اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ ''یار...... نو ماہ پہلے تو بھی تو امید سے تھا۔ تیری امید زندہ ہے یا مرگئی ہے؟'' سیٹھ چمڑے والا اپنی جگہ پر اچھل پڑا۔

''ابے کیا بکواس کر رہا ہے۔ میں کیوں امید سے ہونے لگا۔'' اس کے لہجے میں انتہا درجے کی خفگی تھی۔

''یار...... مجھے بھی تو نے ہی امید دلائی تھی۔ اب صاف مکر رہا ہے۔'' اس نے شکوہ کناں لہجے میں کہا۔

''ہیں......'' اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ ''میں مانتا ہوں میں گناہ گار ہوں سیاہ کار ہوں مگر خدا کے لیے ایسا...... ایسا الزام مجھے مت دو۔'' اس کا انداز رو دینے والا تھا۔

''یہ...... یہ سارا اس منحوس 'ہیرو' کا کیا دھرا ہے۔ اسی نے ہم سب کو امید دلائی تھی۔ اب نتیجہ نکلتا دیکھ کے گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہوا پھرتا ہے۔''

''دیکھ بے...... ہیرو اور تیرے بیچ جو بھی معاملہ ہوا تھا وہ تو جانے اور وہ جانے...... مجھے اس میں ملوث نہ کر۔ میں کوئی امید و مید سے نہیں ہوں۔ نہ میرا ہیرو کے ساتھ کوئی ایسا ویسا تعلق رہا ہے۔'' اس نے ناراضی سے کہا۔

سرفروش

محمد یاسر اعوان

بلاشبہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت موت ہے... زندگی ناپائدار... نامہربان ہے... اس کے باوجود بعض افراد زندگی کو اس طرح جیتے ہیں کہ دنیا سے چلے جانے کے باوجود ان کا نام ہمیشہ کے لیے زندہ رہ جاتا ہے... اس کا سبب ان کا وہ عمل ہوتا ہے جو کائنات کی بلندیوں اور عظمتوں کا سفر طے کرتا ہے... غور و فکر کر کے وہ الجھی گرہیں کھولتا ہے... انسانی فطرت یا باطن کے سمندر میں اتر کے ظاہر میں پنہاں سچائیوں کا سراغ پالیتا ہے... اور ان راستوں کو اپناتا چلا جاتا ہے جہاں سخت دل ظالم کی حکمرانی میں مظلوموں پر ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑے جارہے تھے... وطن سے محبت اور اپنی جاں کا نذرانہ پیش کرنے والے سرفروشوں کا سنسنی خیز کارنامہ...

آزادی کی اہمیت کو سمجھنے والے وطن پرستوں کے لیے جاں باز سپاہیوں کا دلفریب تحفہ......

ایک بریگیڈیئر کی بیٹی ہونے کے ناتے نائلہ بنگش کو بچپن ہی سے فوجی بننے کا شوق تھا جبکہ اس سے بڑی بہن شمائلہ بنگش عملی طور پر کوئی ایسا کارنامہ انجام دینا چاہتی تھی۔ جسے دنیا ہمیشہ یاد رکھے۔

نائلہ اس وقت میٹرک میں تھی اور شمائلہ ایف اے کر چکی تھی۔ نائلہ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ ملک کی خدمت صرف آرمی میں شامل ہوکر ہی کی جاسکتی ہے۔

جب وہ بہت چھوٹی تھی تو اکثر اپنے ابو سے ضد کرتی...... اور اس کے ابو اسے یہ بات سمجھاتے تھک جاتے کہ فوجی بننا مردوں کا کام ہے۔ لڑکیاں آرمی میں نہیں جاتیں۔

''بیٹی۔'' وہ کہتے۔ ''ضروری نہیں کہ تم صرف آرمی میں شامل ہوکر ہی اپنے ملک کی خدمت کرو بلکہ تم زندگی کے جس شعبے میں بھی اچھا کام کروگی تو وہ وطن کی خدمت میں شمار ہوگا۔'' لیکن نائلہ کا ذہن اور دل یہ بات قبول کرنے پر تیار ہی نہیں ہوتا تھا۔

وہ دن رات آرمی میں سروس کرنے کے خواب دیکھتی رہتی۔ اس کی سوچ کا اثر اس کے مشاغل پر بھی پڑا - وہ دوسری لڑکیوں کی طرح گڑیوں سے کھیلنے اور گھروندے بنانے کے چکر میں نہ پڑی تھی۔

23 مارچ اور 14 اگست یوم آزادی کی پریڈ دیکھنا اس کا سب سے محبوب مشغلہ تھا۔ وہ یوم آزادی کا شدت سے انتظار کرتی بلکہ ممی، پاپا سے کہہ کر اس نے بوائے اسکاؤٹ کی ایک یونیفارم منگوائی اور اسی کو پہن کر پریڈ کرتی رہتی۔ ممی، پاپا، نائلہ کے اس شوق کو دیکھ بہت خوش ہوتے لیکن جلد ہی افسردہ ہوجاتے کیونکہ وہ اپنی لاڈلی بیٹی کی یہ خواہش پوری نہیں کرسکتے تھے۔

نائلہ کی صرف ایک ہمشیرہ تھی شمائلہ...... جو خاموش طبع ہونے کے ساتھ ساتھ ہر وقت کچھ سوچتی رہتی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک تھی۔ جسے کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ کالج میں چھٹیوں کے باعث وہ اکثر اپنے کمرے میں ٹی وی پروگراموں سے دل بہلالیتی یا کوئی میگزین پڑھ کر وقت گزارتی۔

میٹرک سائنس کے ساتھ پاس کرکے نائلہ کالج میں ایف ایس سی کرنے کی غرض سے فرسٹ ایئر میں داخلہ لے چکی تھی۔

ٹینک، جہاز، فوج اور اسلحے کی تصویریں اکٹھی کرنا اسے بہت پسند تھا۔ ان چیزوں کے اس کے پاس کئی البم تھے جو اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز تھے۔ کلاس میں بھی اکثر وطن کی محبت اور اس سے وفاداری کے متعلق ایسے ایسے جملے کہہ جاتی کہ کلاس ٹیچر اسے حیرانی سے دیکھتی رہ جاتی۔

بریگیڈیئر صاحب سے جب کوئی افسر یا ماتحت اپنی خوب صورت یونیفارم پہنے ملنے آتے تو نائلہ انہیں بڑے شوق سے دیکھتی اور جلدی سے جاکر اپنے پاپا کی گود میں گھس جاتی۔ پاپا لوگوں کو بڑے فخر سے بتاتے کہ یہ ان کی بیٹی

وہ رات

مرزا عمران بیگ

کبھی کبھی ایک رات بڑی طوالت اختیار کر لیتی ہے... ایسی ہی ایک پُراسرار رات کا قصہ... آغاز ہی سے سب کچھ غیر معمولی انداز میں رونما ہو رہا تھا... وہ گھر سے کہیں جانے کے لیے نکلا مگر یکدم ہی ایک واقعے نے حالات کا رخ بدل کے رکھ دیا...

جرم کی بکھری کڑیاں جو رفتہ رفتہ جڑتی چلی گئیں......

کچھ دن یا کچھ راتیں یا صرف کچھ لمحے ہی ایسے ہوتے ہیں، جب انسان ایک ایسی سڑک پر آن کھڑا ہوتا ہے جو انجانے میں اس کو کسی بدترین منزل کی طرف لے جا رہی ہوتی ہے۔ ایسی ہی ایک رات کی کہانی ہے جو اسد شاہ کے ساتھ پیش آئی۔ اس رات وہ کراچی سے اپنے گاؤں کی طرف جا رہا تھا۔

گاڑی مناسب رفتار سے شاہراہ پر رواں دواں تھی کہ ایک اندھیری سڑک پر بریک لگنے سے گاڑی رک گئی۔ اسد نے اسے اسٹارٹ کرنے کی متعدد بار کوشش کی لیکن بے سود۔ اس نے احتیاط سے اِدھر اُدھر دیکھا گاڑی سے اتر کر بونٹ کھول کر خرابی کو جاننے کی کوشش کی لیکن کچھ واضح سمجھ میں نہیں آیا۔ اسد گاڑی کی اگلی اور



نہ جانے کیوں

سرور اکرام

حسن کائنات کی اٹل حقیقت ہے... لیکن ایک حسن انسان کی آنکھ میں بھی پوشیدہ ہوتا ہے... خوب صورتی کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے حسنِ نگاہ کی ضرورت ہوتی ہے... ایک ایسے ہی شاعر کا دلچسپ قصہ جو ظاہری حسن و خوب صورتی کا شیدائی تھا...

احساسات وجذبات سے گندھی ایک پراثر تحریر......

اس کے سارے خواب مٹی میں اس وقت مل گئے جب اس نے پہلی بار اپنی بیوی ممتاز بیگم کو دیکھا۔

یہ رشتہ اس کی اماں نے لگایا تھا۔ ممتاز اس کی کوئی ننھیالی رشتے دار تھی۔ اماں نے اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے تھے۔ ''ارے بیٹا! وہ بہت اچھی ہے۔ اس کے لیے تو بہت سے رشتے آتے ہیں لیکن اس کے گھر والوں کو ضد ہے کہ رشتہ خاندان ہی میں کریں گے۔''

''اور اماں خاندان میں آپ کو ایک میں ہی نظر آیا تھا۔'' ساحر نے کہا۔

''تو کیا ہوا؟ کسی نہ کسی سے تو شادی کرنی ہے، تو ممتاز ہی سہی۔'' اماں جلدی سے بولیں۔ ''یاد رکھ اس کے آنے سے اس گھر کی حالت بدل جائے گی۔ تیرا یہ رات رات بھر باہر رہنا چھوٹ جائے گا۔''

''لیکن اماں، پتا تو چلے کہ وہ کیسی ہے؟ کتنی تعلیم حاصل کی ہے۔ اس کا مزاج کیسا ہے، اس کی صورت شکل کیسی ہے؟''

''اس نے بی اے تک پڑھا ہوا ہے۔'' اماں نے بتایا۔ ''اس نے کھانے بنانے کا کورس بھی کر رکھا ہے۔ میں خود اس کے ہاتھ کا کھانا کھا چکی ہوں، کیا ذائقہ ہوتا ہے کہ بس انگلیاں چاٹتے رہ جاؤ۔''

''ٹھیک ہے اماں، میں سوچوں گا۔''

ساحر کے خواب تھے۔ اس نے زندگی ایسے ہی خوابوں کے سہارے گزاری تھی۔ وہ شاعر تھا۔ پھولوں، تتلیوں اور چاندنی راتوں کا شاعر۔ اختر رومانی کی طرح اس نے رومانی شاعری کی تھی۔ اس کی رومانی غزلیں اور نظمیں نوجوانوں میں بہت مقبول تھیں۔

وہ دلوں کی دھڑکنوں کی شاعری کرتا۔ خوابوں کی وادیوں میں لے جاتا۔ خود اس کا بھی ایک خواب تھا۔ اس کی شریکِ زندگی ایسی ہو جو اس کی شاعری کی اساس معلوم ہو جسے دیکھ کر دھڑکنیں تیز ہو جائیں جو چلے تو شاخِ گل کے لچکنے کا احساس ہو۔

اس نے اپنے دوستوں سے کہہ رکھا تھا۔ ''تم لوگ دیکھ لینا، میں نے شادی کی تو کسی ایسی ہی لڑکی سے کروں گا۔''

اب اماں اس کے لیے ایک ایسا رشتہ لائی تھیں جسے اس نے کبھی دیکھا بھی نہیں تھا۔ اس کی حسن پسندی ایسے کسی رشتے کو ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھی۔

کچھ دنوں کے بعد جب اس کی ماں نے یہی بات چھیڑی تو اس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے اماں، میں تمہارے کہنے پر تیار ہوں۔ لیکن میری ایک شرط ہے کہ میں اس لڑکی سے ملوں گا۔''

''کیا پاگل ہو گیا ہے، شریفوں کے یہاں ایسا نہیں ہوتا۔''

''اماں، وہ زمانہ کچھ اور تھا۔'' ساحر نے کہا۔ ''اب تو شادی سے پہلے دونوں ساتھ گھومتے پھرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں۔ تب شادی کرتے



مارخور

یعقوب بھٹی

ہر علاقے ہر خطہ اپنی خوبو کی وجہ سے کوئی نہ کوئی شہرت رکھتا ہے... پہاڑوں میں بسنے والے سختیاں جھیلنے یا خطرے میں پڑنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے... آزادی کی جدوجہد ہو یا قبائلی دشمنیاں وہ سرکشی سے باز نہیں رہتے... ایک ایسے ہی خطے میں پروان چڑھتی کہانی... ہر کردار اپنے مقصد کے حصول کے لیے بساط سے زیادہ سرگرم تھا... بساط ایک ہی تھی مگر ہر مہرہ اپنے اپنے محاذ پر ڈٹا ہوا تھا... بلندو بالا پہاڑوں کے دامن میں گھومتے پھرتے... شکار کھیلتے سر پھروں کی مہم جوئی...

غالب و مغلوب...... حاکم و محکوم کے درمیان جاری رسا کشی کا سنسنی خیز احوال

حشمت زازی نے نگاہ اٹھائی۔ شمالی وزیرستان کا یہ ایک ویران حصہ تھا۔ سامنے دور تک پھیلے نیم سبز پہاڑوں کے درمیان ایک پہاڑی ندی لکیر کی صورت لہراتی، بل کھاتی نظر آرہی تھی۔ گرمیوں میں یقیناً اس کا جوبن عروج پر ہوتا ہوگا۔ سردست پانی اس میں ٹھہرا ہوا نظر آرہا تھا اور سردیوں کا ٹھٹھرا ہوا سورج اس کے عین اوپر چمک رہا تھا۔

حشمت زازی، پینتیس چھتیس سال کا کڑیل جوان تھا۔ درمیانہ قد، گٹھا ہوا جسم، سرخ و سفید چہرے پر بے

مردم آزار

اسماقادری

زندگی کے فیصلے بہت سوچ سمجھ کے کرنے پڑتے ہیں۔ بعض فیصلے کچھ وقت گزرنے کے بعد طوفان خیز ثابت ہوتے ہیں... ایسا طوفان جو مختلف سمتوں سے اٹھتا ہے اور ہر ایک شے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے... کبھی وقت کا ہلکا سا جھونکا جذبات و احساسات اور واقعات کو اپنے ساتھ بہالے جاتا ہے... اور کبھی زندگی کے شدید ترین دھماکے بھی انہیں اپنی جگہ سے ہلا نہیں پاتے... ایک ایسے ہی گھر کی کہانی... جس کے مکیں تنگ دستی کے باوجود خوشگوار زندگی گزار رہے تھے... محنت اور محبت کے خمیر نے انہیں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم بنادیا تھا... مگر اچانک ہی بلندیوں پر پرواز کرتے عقاب کی نگاہیں ان کے آشیانے پر آٹکیں...

تدبیر سے تسخیر کے مراحل عبور کرتی کہانی کے پیچ وخم،سرورق کا تیکھا رنگ

''میں جارہی ہوں ممی!'' اخبارات اور رسائل کو سائیکل کے آگے لگی بڑی سی باسکٹ میں خاص ترتیب سے رکھنے کے بعد رابی نے ماں کو مطلع کیا۔

''اللہ حافظ بیٹا! احتیاط سے جانا اور اپنا بہت خیال رکھنا۔'' علی الصباح سارہ خود بے حد مصروف ہوتی تھی لیکن اس نے بیٹی کی آواز سن کر اپنی مصروفیت ترک کی اور اسے رخصت کرنے کے ساتھ ساتھ چند ہدایات بھی کیں۔

''ڈونٹ وری ممی! میں سب کچھ اچھے سے کرلوں گی۔ آپ اپنا کام دیکھیں، میں واپس آتی ہوں تو پھر ہم ساتھ مل کر ناشتا کریں گے۔'' رابی نے مسکراتے ہوئے ماں کو تسلی دی اور پیڈل مارتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ سارہ اس وقت تک اپنی جگہ کھڑی اسے دیکھتی رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئی اور پھر پلٹ کر واپس اندر چلی گئی۔ اس کے نتھنوں میں پہنچنے والی خوشبو نے اس کے تجربے کی روشنی میں اسے بتایا کہ بھٹی میں رکھی گئی ڈبل روٹیاں تیار ہوگئی ہیں۔ وہ تیزی سے بھٹی تک پہنچی اور تیار شدہ ڈبل روٹیاں جلدی جلدی باہر نکالنے لگی۔ وہ کئی برسوں سے یہ کام کررہی تھی۔ حقیقتاً گھر کی نچلی منزل پر بنائی گئی یہ چھوٹی سی بیکری ہی اس کی معاشی ضروریات پورا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ تھی۔ اس کا باپ ایک نانبائی تھا اور نوعمری میں باپ سے سیکھا گیا یہ ہنر کڑے وقت میں اس کے بہت کام آیا تھا۔ وہ جس قصبے میں رہتی تھی وہاں کے بیشتر افراد کو اس کے تیار کردہ تازہ بسکٹ، کیک اور ڈبل روٹی بے حد پسند تھے چنانچہ چھوٹی سی بیکری کی مالک ہونے کے باوجود اس کی آمدنی اتنی ضرور تھی کہ وہ سادہ طرزِ زندگی کے ساتھ اپنے اور اپنے بچوں کے